عبدالرحمٰن سیوہاروی

بلغاریہ میں اسلام

یک شنبہ ۲۲ر جون ۱۹۱۳ء

سرویا کے دارالخلافہ سے شروع ہو کر میں بلغاریہ کے دارالسلطنت میں آیا ۔ جب میں صوفیہ پہنچا تو میری نظر دور سے ایک گرجا پہ پڑی جو روسی اور بازنطینی طرز کا تھا جس کے گنبد کا سنہری کلس بڑی تیزی سے چمک رہا تھا ۔ میرے زیادہ قریب آنے پر اس کی قدوقامت میں اضافہ ہوتا جاتا تھا یہتی کہ جب میں اس کے نیچے آیا ہوں تو سامنے بس اسی کی تصویر دکھائی دیتی تھی اور اپنی طاقت کا اظہار کر رہی تھی ۔ بلقان کے دوسرے دارالخلافوں کی طرح صوفیہ بھی ایک نیا تعمیر شدہ شہر ہے ۔ شہر کی عمارتیں علی العموم بیش قیمت بنانے کے علاوہ اعلیٰ اصول انجینیری کے مطابق بنائی گئی ہیں ! اور عمارتوں کی یکسانیت کے اعتبار سے شہر خوب صورتی کے سانچے میں ڈھلا ہوا معلوم ہوتا ہے ۔ دراصل صوفیہ کسی دوسرے شہر کی نقل ہے ۔ یہ ایک چھوٹا سا سینٹ پیٹرز برگ ہے ۔ جو اہل مشرق کے حلقہء اثر سے نکلنے کے لئے اہل مغرب کی ایک ناکامیاب بغاوت کا اظہار کرتا ہے ۔ آبادی مختلف عنصروں سے مرکب ہے ۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ ایسی ریاست کے دارالخلافہ میں جو ابھی سلطنتِ عثمانیہ کی شہنشاہانہ سیادت سے علیحدہ کی گئی ہے کوئی مسلمان نہیں ہے ۔ یہاں پچاس سے زیادہ ترک آباد نہیں ہیں ۔ مگر باوجود اس کے میں نے یہ معلومات حاصل کر لئے کہ مجھے کہاں جانا چاہیئے ۔ اور یہی امر میرے لیے باعثِ تسکین تھا ۔

دوسرے روز میں تفریح کے طور پر "کنگزوے" سڑک پر اچھی پوشاک پہنے ہوئے آدمیوں کے انبوہ کثیر میں سے گذر رہا تھا جن میں بہت سے فوجی افسر بھی اپنی وردیاں ڈالے جا رہے تھے جن کی

تلواریں سڑک پر گھسٹتے وقت کھڑکھڑاتی تھیں۔ یورپین زندگی کی تھکا دینے والی یکسانیت سے میں سخت پریشان ہو رہا تھا۔ اتنے میں میری آنکھیں ایک عورت کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں میں پڑیں جو میرے پاس ہی کھڑی تھی۔ اس کے بال اس کی آنکھوں کی پتلیوں کی طرح سیاہ تھے اور اس کی مانگ نکلی ہوئی تھی۔ اس کا رنگ میری طرح سیاہی مائل بھورا تھا۔ اور مسکراتے وقت اس کے دانت نہایت تیزی سے چمکتے تھے۔ سر پہ ایک سفید دوپٹہ پڑا تھا جس نے اُس کے جسم اور بالوں کو ڈھانک رکھا تھا۔ وہ بہت چپ چاپ اور غریب نظر آتی تھی۔ مگر ایسی کونسی بات تھی جس کی وجہ سے اُس نے خاص مجھے ہی اپنی خوب صورت اور مؤثر آنکھوں سے ایک جگہ قائم کر دیا؟ میں نے اس کو ہر ایسے ممکن طریقے سے مخاطب کیا جس میں کہ میں اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا تھا لیکن نہ تو اس نے میری بات سمجھی اور نہ میں نے اس کی۔ مجھے اس کے اشارات ویسے ہی عجیب معلوم ہوتے تھے جیسے کہ یقیناً اس کو میرے معلوم ہوتے ہوں گے۔ اسی اثنا میں یکایک میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا۔ میں نے کلمہ شہادت دُہرایا اور معاً اس نے میرے ہاتھوں کو اپنے خوب صورت نازک ہاتھوں سے دبا کر کہا کہ:

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اور مسرت کے جوش میں ہنستی چلی گئی۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ایک جپسی مسلمان ہے۔

——— غالباً ماہرین علم السنہ اور علم انساب کے اس خیال میں کچھ نہ کچھ صداقت ضرور ہے کہ "جپسی" آوارہ گرد" مسلمان قوموں کا اصلی وطن ہندوستان ہے۔ بعد میں مجھے اس واقعہ کا علم ہوا کہ صوفیا میں چھ یا سات ہزار جپسی مسلمان آباد ہیں۔

صوفیہ سے میں فلیجہ (یعنی نل پوپل) آیا۔ کیوں کہ یہ مقام بلغاری مسلمانوں کا مرکز ہے اس شہر کا عام منظر بغداد کی طرح ہے اور یہاں عیسائیوں اور مسلمانوں کی مخلوط آبادی ہے۔ لیکن مسلمان جن میں "جپسی" بھی شامل ہیں۔ بارہ ہزار سے زیادہ نہیں ہیں۔ جب میں اسٹیشن سے گاڑی میں بیٹھ کر چلا تو میرا گذر ایک مسجد کے قریب ہوا۔ جہاں ایک مسلمان شربت والا چند

برقع پوش مستورات کو ٹھنڈا ٹرکی کا شربت پیش کر رہا تھا۔ ماہِ رمضان میں ابھی کچھ دن باقی تھے۔ چند مزدور جو اپنے پسینہ آلود سروں پر ترکی ٹوپیاں رکھے ہوئے تھے ذرا فاصلہ سے زمین کھود رہے تھے۔ کبھی کبھی کوئی ترک بھی راستہ چلتا ہوا دکھائی دے جاتا تھا جسے میں عیسائی بلغاری عورتوں اور مردوں کے اژدہام کی وجہ سے بمشکل پہچانتا تھا۔ یہ تصویر کا کوئی شاندار رُخ نہیں ہے لیکن صوفیہ کی مایوس کن حالت کے بعد میرے لیے کم سے کم یہ ایک دل خوش کن نظارہ تھا۔

اگلی صبح کو میں "اخبار بلقان" کے ایڈیٹر سے ملنے گیا۔ بلغاریہ میں صرف یہی ایک اسلامی اخبار ہے جس کی نسبت میں نے صوفیہ ہی میں واقفیت بہم پہنچائی تھی۔ مجھے ملاقات کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ادہم روحی اپنے ایڈیٹر کی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے دفتر اچھے ہندوستانی اخبار کے دفتر کی مانند نہ تھا وہ میانہ قد کے آدمی ہیں اور چالاک اور پھرتیلے بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے چہرے سے حلم اور تدبر کے آثار نمایاں ہیں۔ یہ حضرت بلغاریہ کے تین مسلمان لیڈروں میں سے ایک ہیں اور یہ انجمن ثلاثہ اپنی طاقت اور وقت کو اپنے ہم مذہبوں کی ترقی میں صرف کرتی ہے جو اگرچہ کبھی ملائے اعلیٰ پر تھے۔ مگر اب انقلاب زمانہ سے قعرِ پستی میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ انگریزی بولتے ہیں۔ جب میں نے ان سے یہ کہا کہ میں ہندوستان سے آرہا ہوں تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ مجھ سے بہت سے سوالات پوچھیں گے بہ نسبت اس کے کہ جو مجھے ان سے دریافت کرنے تھے وہ ترقی کی باتوں پر مسرت اور ادبار کی باتوں پر رنج کا اظہار کرتے تھے اور انھوں نے اور ان کے دو دوستوں نے میرے سپرد یہ خدمت کی ہے کہ میں بلغاریہ کے مسلمانوں کی طرف سے ہندوستان کے مسلمانوں کو محبت اور خیر اندیشی کا پیغام پہنچا دوں ؎

گرچہ دوریم بیاد تو قدح مے نوشیم

انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں تمھیں جامع مسجد دکھانے لے جاؤں گا اور اپنے قلم کو رکھ کر جو ابھی اُن کے ہاتھ ہی میں تھا انھوں نے اپنا ہاتھ دراز میں ڈالا اور ایک ریوالور نکال کر پہلو

کی جیب میں ڈال لیا۔ مجھے بعد میں دوسرے اشخاص سے معلوم ہوا کہ یہ کارروائی محض احتیاط کے طور پر ہی نہیں ہے بلکہ جہاں تک اُن کا تعلق ہے نہایت ضروری ہے۔ مسجد اسلامی اور بازنطینی طرز کی عمارت ہے اور اندر سے نہایت خوبصورتی کے ساتھ آراستہ کی گئی ہے۔ ایک قاری نہایت خوش الحانی سے قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا اور بہت سے اشخاص بہت توجہ کے ساتھ بیٹھے سُن رہے تھے۔ مسجد کے متصل ایک کلب ہے جہاں ہر شام کو پندرہ اور پچیس کے درمیان نوجوان مسلمان جمع ہوتے ہیں اور ترکی اخبارات پڑھنے کے علاوہ قہوہ پینے اور اپنے سوشل اور سیاسی معاملات پر رائے زنی کرتے ہیں۔ یہاں سے ہم مفتی صاحب سے ملنے کے لیے اسلامی مذہبی عدالت میں گئے اور ہمیں پہلے ہی وقفہ پر اندر بُلا لیا گیا۔ مفتی صاحب جو ایک بزرگ صورت شخص ہیں۔ سبز لباس میں بیٹھے ہُوئے تھے۔ سر پہ ترکی ٹوپی اوپر عمامہ بندھا ہوا تھا، اُن کے اسسٹنٹ (نائب) پاس ہی بیٹھے ہُوئے تھے۔ دوسرے رشتہ دار بھی دائیں بائیں تھے۔ گفتگو قدرتی طور پر اسلامی دنیا کی موجودہ پست حالی پر ہوئی۔ مَیں نے آخر میں پوچھا کہ "جناب اب کیا کرنا چاہیئے"۔ بلغاریہ کے مفتی اور دوسرے با اثر بزرگ نے جو جواب دیا وہ حسب ذیل ہے:

سب سے زیادہ ضرورت اس امر کی ہے کہ بوسیدہ اسلامی طریقہ تعلیم میں جو تمام دنیا میں رائج ہے آزادانہ طور پر نمایاں اصلاح کی جائے۔ ایشیا، یورپ اور افریقہ کی پُرانی مذہبی درس گاہیں جو طالب علم کو مُلاگری کے علاوہ اور کسی کام کا نہیں رکھتیں (اور یہ امر اسلام میں ہرگز جائز نہیں ہے) دنیا میں ہمارے ادبار اور پستی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ مولوی جس کو اسلام کا با کار ممبر ہونا چاہیے نہ کہ خوشامد سے اپنے حلوے مانڈے کا خیال رکھنے والا ہو۔ اس گفتگو کے بعد قہوہ پیش کیا گیا اور ہم رخصت ہُوئے۔ دوسرے دن ایڈیٹر صاحب نے بلغاریہ کے اسلامی مدارس کے ڈائرکٹر خلیل زکی سے تعارف کرایا۔ وہ پولک یعنی بلغاری مسلمان ہیں۔ وہ مذکورہ بالا ارکان ثلاثہ کے دوسرے ممبر ہیں۔ انھوں نے جو کوشش مسلمانوں میں موجودہ علوم

پھیلانے کے متعلق کی ہے اس کا مقابلہ کسی دوسرے شخص کی کوششوں سے نہیں ہوسکتا انھوں نے حال ہی میں غلیبہ میں ایک نارمل سکول قائم کیا ہے اور وہ اپنی دیگر تجاویز کو بھی جو فی الحال ان کے دماغ میں ہیں۔ بہت جلدی عملی صورت میں لانے کی کوشش کریں گے۔ وہ مجھے اپنا اسکول دکھانے کے لیے گئے۔ عمارت کی مرمت ہو رہی تھی۔ عمارت اگرچہ بہت وسیع ہے۔ مگر معمولی، لیکن جیساکہ سب کو معلوم ہے علی گڑھ کالج میں درس گاہ کی ابتدا بھی ایک بھونس کے بنگلے سے شروع ہوئی تھی۔ اس نارمل سکول کے قیام کی سب سے زیادہ ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ اس کے اجرا سے ان بلغاری قوانین کے بڑے اثر کی روک تھام کرنی مقصود تھی جو کسی ایسے شخص کو اسلامی مدرسہ میں ٹیچر بننے کی اجازت نہیں دیتی جو بلغاری رعایا ہے۔ متذکرہ بالا اسکول کا سٹاف بہت قابل ہے۔ اس کی لائبریری عمدہ ہے اور اسکول میں سے اب تک اچھے اچھے قابل ماسٹر پیدا ہو چکے ہیں۔ ڈائرکٹر صاحب موصوف اس مقصد کو ترقی دینے کے لیے ترکی زبان میں تعلیم کے متعلق ایک رسالہ میں نکالتے ہیں۔

آج سہ پہر کو میرا تعارف ایک ایسے معمر عیسائی شریف آدمی کے ساتھ کرایا گیا جنھوں نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ ایک طویل گفتگو میں بلغاریہ کی مکمل تاریخ بیان کرنے کے بعد انھوں نے ظاہر کیا کہ یہ ہماری سب سے بڑی بدقسمتی ہے کہ عثمانیوں کو ہم پر حکومت کرنے سے آہستہ آہستہ ہٹا دیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ نہیں نہیں یہاں کچھ آزادی نہیں ہے۔ ترکی کے عہد حکومت میں دراصل ہم ملک پر حکمران تھے اب باوجودیکہ گورنمنٹ ہماری ہے۔ غیر ہم پر حکومت کر رہے ہیں۔ ہم بذاتِ خود نہ لڑائی کر سکتے ہیں اور نہ صلح کر سکتے ہیں ہمیں روس کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا ہے۔ جب کبھی ہمیں حکم دیا جاتا ہے ہم کو مجبوراً ترکی کے ساتھ لڑنا پڑتا ہے جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ترکی کی قوت کمزور کر دیں اور اپنے آپ کو تباہ کر لیں ترک اگرچہ عدل کرنے میں سخت تھے ان کا انصاف مساوی ہوتا تھا۔ لیکن اب ہمارے

جج صاحبان غیر مطبوعہ جماعتوں اور مردوں کے حقوق کو غارت کرنے کے لیے اعلیٰ یورپین ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ ترک تمام مذاہب کے یکساں محافظ تھے۔ مگر اب کسی مختلف فرقوں کے عیسائیوں کو بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ یہ تمام خوبصورت عمارتیں جو آپ برابر دیکھ رہے ہیں ان میں سے ایک بھی نہیں بلکہ ان سب کو ہمارے گھروں کے کھنڈرات پر غیر ملکی سرمایہ داروں نے تعمیر کرایا ہے۔ آہ! جہاں جہاں آپ کو یہ مکانات نظر آتے ہیں وہاں کسی زمانہ میں ہمارے پسندیدہ گھر واقع تھے۔ ہمارے ہی گھر آباد تھے۔

شام کو میں ہند کا باغ دیکھنے کے لیے گیا۔ اور اس اثنا میں خلیل زکی نے مجھ سے کہا کہ "احمد فائق بے" آپ کی شام کی دعوت کرتے ہیں جو آپ کی خوشی سے مطلوبہ واقفیت بہم پہنچائیں گے یہ باغ ایک پارک معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے سامنے ایک ساکن پانی کا ایک تالاب تھا۔ شفق پھولی ہوئی تھی۔ سڑک پر سلانی اور یونانی خط و خال کی عیسائی عورتیں اور مغربی جرمنی کے لباس میں جا رہی تھیں۔ فوجی افسر بھی سفید کوٹ اور نیلی برجس پہنے ہوئے چل رہے تھے اور عورتیں عموماً پیرس کے جدید ترین لباس میں تھیں اور یہ منظر شمالی یورپ کے منظر سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ صرف کبھی کبھی جب کہ کوئی البانی یا کرد کسی عمدہ لباس میں گذر جاتا تھا یا دور سے کالی اور سرخ ٹوپی دکھائی دے جاتی تھی۔ یا برقع پوش مستورات کا سریلہ قہقہہ سننے میں آجاتا تھا۔ اس وقت میں اپنے آپ کو مشرق کی سرحد پر محسوس کرتا تھا۔

واپسی پر میں نے تمام مسجدوں میں چراغاں دیکھا۔ کیوں کہ نئے چاند نے ماہ رمضان کی آمد کو مشتہر کر دیا تھا۔ مسجدوں میں چراغاں یا تو ماہ رمضان میں کیا جاتا ہے اور یا خلیفۃ المسلمین سلطان المعظم کی سال گرہ کے دن۔ مجھے آج شام کو اتنے سارے بلغاری مسلمانوں کے نمایندوں سے مل کر نہایت مسرت حاصل ہوئی۔ تقریباً سب کے سب ہونہار نوجوان ہیں جنھوں نے قسطنطنیہ میں تعلیم حاصل کی ہے۔ اور بعض فرانس اور

سوئٹزرلینڈ کے تعلیم یافتہ ہیں۔ یہ بہی خواہانِ قوم اپنے ملک میں اسلام کے دورِ جدید کا آغاز اور منبع امید سمجھے جاتے ہیں۔ احمد فائق بے جو ارکان ثلاثہ کے تیسرے ممبر ہیں۔ بلغاریہ کے سب سے بڑے سوداگر ہیں۔ ان کی مقامی تجارت بہت وسیع پیمانہ پر جاری ہے اور ملک میں سب سے بڑی دوکان کے مینجنگ پروپرائٹر ہیں۔ انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ نہایت خوشی سے بمبئی، کلکتہ اور رنگون کے تاجروں سے اسلامی تجارت کو وسیع کرنے سے متعلق نامہ و پیام کریں گے۔ یہ جلسہ آدھی رات تک ہوتا رہا۔ خلیل زکی میرے ترجمان تھے اور ترکی سے جرمنی زبان میں اور جرمنی سے ترکی میں ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ نسل، ملک، رنگ اور زبان کے فرق کے باوجود ہم ایک دوسرے سے اتنے قریب اور متحد معلوم ہوتے تھے کہ گویا میں بلغاریہ میں پلا بڑھا ہوں۔ فی الحقیقت اسلامی اخوت کے یہی معنیٰ ہیں ؎

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہان ہمارا

اس آرٹیکل کے دوسرے حصہ میں میں نے اپنی گفتگو اور بحث کا نتیجہ اختصار کے ساتھ درج کر دیا ہے۔ رمضان کی پہلی تاریخ کو میں نے صبح کے وقت سرحد پر چند بے کس بلغاروی مسلمانوں کے قتل کی خبر سنی جن کو عیسائیوں نے قتل کیا تھا اور اس قتل میں جندرمہ اور پولیس نے خاص طور پر نمایاں حصہ لیا تھا۔ بلغاری جنھیں ان کی دغاباز گورنمنٹ ابھارتی رہتی ہے مسلمانوں کے دیہات جلانے اور لوٹنے کے عادی ہیں۔ علاوہ ازیں وہ دل ہلا دینے والے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ننھے بچوں کو تلوار کے سپرد کرتے ہیں اور غیر محفوظ عورتوں کی عصمت دری کرتے ہیں۔ یہ تمام کارروائی افسروں کے بھڑکانے اور تقویت دینے سے اس لیے کی جاتی ہے کہ مسلمان یا تو ملک بدر ہو جائیں اور یا عیسائیت قبول کر لیں۔

سہ پہر کو میں مسلمانوں کا ایک گاؤں دیکھنے کے لیے گیا۔ وہاں بہت سے بوڑھے آدمی موجود تھے جن کی کمریں بڑھاپے کی وجہ سے خمیدہ ہو گئی تھیں۔ مگر باوجود اس کے وہ نہایت

فخر کے ساتھ اپنا سر بلند رکھتے تھے - بوڑھی عورتیں بھی اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو کھیت میں کام کرتے ہوئے دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھیں اور ان کے کاموں میں مدد دیتی تھیں - یہاں کی عورتیں برقعہ نہیں اوڑھتیں - چند لڑکیاں نزدیک ہی آہستہ آہستہ دبے لہجہ میں باتیں کر رہی تھیں - دو جیپیوں کی گاڑیاں ذرا فاصلہ سے کھڑی تھیں - کچھ عورتیں اپنے بچوں کو بغل میں دبائے ہوئے جلدی جلدی اس طرف جا رہی تھیں - بعض عورتیں شام کا کھانا پکانے کے لیے آگ جلا رہی تھیں - سورج غروب ہو رہا تھا - میں نے خیال کیا کہ " پریاں مجھے ارضِ مقدس میں ملنے آئی ہیں - اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ ہے - واللہ ! ان لوگوں کی زندگی کیسی پاکیزہ اور سادہ ہے اور اس پر طرّہ یہ ہے کہ یہی لوگ ان لوگوں کے وحشیانہ مظالم کا شکار رہتے ہیں جو اپنے آپ کو شہزادۂ امن یعنی مسیح علیہ السلام کی امت میں شمار کرتے ہیں - چند سال پیشتر ہزاروں تلواریں اس ذلت کا انتقام لینے کے لیے یہاں سے باہر نکل سکتی تھیں جو ان بے گناہ کنواری لڑکیوں کے ساتھ روا رکھا جاتا تھا - مگر اب خلیفہ کی حکومت جاتی رہی - جب کہ میں ان میں سے ایک بوڑھے آدمی کے ساتھ کھڑے ہو کر اس کی زبان سے ترکوں کی گذشتہ عظمت اور شان و شوکت کے افسانے سن رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ اس کی چمکدار آنکھیں آسمان کی طرف دیکھ رہی ہیں - معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ مستقبل کو دیکھ رہا ہے - اس نے مجھ سے اور میرے ہمراہی سے کہا کہ " میرے بچو ! انتظار کرو - خدا نے اپنے دین سے علیحدگی اختیار نہیں کی ہے وہ پھر اسلام کی عظمت اور شان کو دوبالا کر دے گا - انشاء اللہ تعالیٰ ! "

آدھی رات کو میں قابیہ سے قسطنطنیہ روانہ ہوا - میں یہاں اگرچہ ایک اجنبی کی طرح آیا تھا - تاہم رخصت ہونے پر مجھے وعدہ کرنا پڑا کہ یہ آخری ملاقات نہیں ہے بلکہ میں انشاء اللہ پھر آؤں گا -